تذکرۃ الرشید

حصہ اول

بامتثال امر صاحبزادہ حضرت مولانا الحافظ الحکیم مسعود احمد صاحب دام ظلہ

(وتعمیل ارشادات)

سید المحدثین حضرت مولانا المولوی محمود حسن صاحب دیوبندی وقدوۃ الافاضل حضرت مولانا المولوی عبدالرحیم صاحب رائپوری وسند المتکلمین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی دام ظلہم

بندہ ضعیف

عاشق الٰہی عفی عنہ نے جمع اور مرتب کیا اور حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب کو من اولہ الی آخرہ الا البعض الحواشی ملاحظہ کرا کے بعد بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ میں طبع کرایا

طبع ثانی مثل اسیر المطابع میرٹھ میں باہتمام اصغر حسین مالک و مہتمم چھپوایا

درس میں فرمایا کہ لوگ زیرِ ناف کے بال غسلخانوں میں لیا کرتے ہیں اور سامنے چھوڑ دیتے ہیں بُرا کرتے ہیں جس جگہ کے بال کا بحالت اتصال جسد دیکھنا حرام ہے بعد انفصال بھی دیکھنا حرام ہوگا" اس پر قاضی صاحب بولے "مگر بزرگوں کا" انکی بات پر سب لوگ حتیٰ کہ شاہ صاحب بھی ہنس پڑے۔

زمانہ طالبعلمی میں حضرت مولانا اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے پڑھانے کی طرف بھی شوق ظاہر فرمایا کرتے تھے مگر اُسوقت جبکہ اپنے کام سے فارغ ہوجائیں اور کچھ حرج واقع نہو چنانچہ سب سے پہلی جماعت جنکو حضرت نے دہلی میں سبق شروع کرایا وہ ہے جس میں ملا محمود دیوبندی شامل تھے اور ان کے بعد آپکی شاگردی کا فخر آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابو النصر اور دوسرے ماموں زاد بھائی یعنی حکیم مسعود احمد صاحب کے حقیقی ماموں مولوی ابو القاسم صاحب کو حاصل ہوا جو بعد میں بعہدہ انسپکٹری پولیس اودھ میں مامور ہوئے۔ گنگوہ میں اول التلامذہ جناب سید مومن علی صاحب ہیں۔

نکاح

ناظرین کو معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت قدس سرہ کے چار حقیقی ماموں تھے جن میں بڑے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کی صاحبزادی مسماۃ خدیجہ خاتون سے آپکا رشتہ قرار پایا تھا۔ مولوی محمد تقی صاحب خاندان قادریہ میں شاہ سیف اللہ صاحب نارنولی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ نہایت پابند شرع اور عاشق سنت شیخ تھے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات میں اتباع کرنے کا تو کیا پوچھنا عادات میں متابعت کا اس درجہ خیال تھا کہ رفتار و گفتار میں بھی نبوی طرز کی آپکو دھن تھی۔ مولوی محمد تقی صاحبؒ کی یہ بات مشہور ہے کہ آپکو جس چیز کے متعلق یہ معلوم ہوگیا کہ فلاں چیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس چیز کی طرف رغبت تھی حضرت مولانا بلا تامل اُس چیز کا تناول اپنا معمول ٹھیرا لیتے اور چاہے معمولی کیوں نہ پڑے مگر اُسی پر مداومت فرمایا کرتے تھے مولانا ممدوح جھجر کی ریاست میں فوجی ملازم تھے اور آقا کے جان نثار خیر خواہ۔ ایام غدر میں آپ مفسدین کے ساتھ نہ تھے بلکہ اُس جماعت میں تھے جسکے غنیم سے لڑنے کی غرض سے دو حصہ کر دیئے گئے تھے کہ ایک دستہ آج میدان جنگ میں جائے تو کل کو دوسرا۔ آپ بلحاظ تقسیم ایک گروہ میں منقسم ہوئے تھے مگر شوق شہادت اور سرکار کی جان نثاری میں مقتول ہو جانیکی تمنا آپ پر اس درجہ غالب تھی کہ ہر دو گروہ میں شریک ہوتے اور روزانہ میدان جنگ میں چلے آیا

کرتے تھے۔ دل اشتیاق وصال میں بیتاب ہوتا تھا اور قلب انتظار حصول لقاء میں بے چین۔ دن بھر اسی جستجو میں تلوار کے قبضہ پر قبضہ کئے گھوڑے پر سوار بھاگتے دوڑتے باغیوں کو مارتے گزر جاتا اور شام کو بے نیل مرام خیمہ گاہ پر واپس آتے تو افسوس کرتے اور بعض وقت رو بھی دیتے تھے کہ ہائے یہ ناکارہ جان منظوری محبوب کے قابل نہیں ہے۔ آخر جس دن جنگ کا خاتمہ اور قصہ نوابی کا آخری فیصلہ تھا اس روز مولانا محمد تقی صاحب نے فوجی لباس پہنا ہتھیار زیب تن کئے اور غمزدہ آواز سے فرمایا کہ "آہ ایک وہ خوش قسمت بندگان خدا ہیں جو اپنے آقا کی نذر ہو رہے اور حیوۃ اخرویہ حاصل کر رہے ہیں اور ایک ہم حسرت زدہ ہیں کہ بدن پر ایک زخم بھی نہ آیا" اس کلام کے بعد جب میدان کی طرف رخ کیا اور لڑائی میں جانے لگے تو اپنے وفادار نوکر کو بلایا جسکا نام بندو تھا (یہ شخص گنگوہ کا رہنے والا اور مولانا کا قدیمی نمکخوار بڑا ہمراہی تھا) کہ "میاں بندو اول تو مجھے امید نہیں کہ یہ عزت مجھے حاصل ہوگی مگر شاید میں آج کی لڑائی میں مارا جاؤں پس اگر مرنے سے پہلے میں کچھ بولوں اور بات کروں تو مجھے غسل دینا اور نعش کو نہلا کر دفن کردینا اور اگر فوراً میرا دم نکل جائے تو انہیں خون آلودہ کپڑوں میں مجھے دفنا دینا جس میں میرا دم نکلے" یہ آخری وصیت فرما کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ دولہا بنے ہوئے جنگ کے ہولناک منظر کی طرف لپکے اور وار پر وار شروع کئے۔ چہرہ پر بجائے گھبراہٹ و سراسیمگی کے سکون و طمانیت اور بجائے وحشت و پریشانی کے مسکراہٹ و بشاشت تھی بجلی کی طرح کوندتے اور پھرتی کے ساتھ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر نکل جاتے تھے یکے بعد دیگرے دو باغیوں کو قتل کیا اور تیسرے کے چہرہ پر تمنچے کا نشانہ لگایا۔ بندوق کا فیر ہونا اور گولی کا نکلکر جانا تھا کہ خود بھی چلا اٹھے اور سفر آخرت کا تہیہ کردیا۔

بندو کا بیان ہے کہ میاں کی آواز جسوقت میں لپکا اور میدان جنگ سے اٹھا کر لایا ہوں تو بدن سے خون کے فوارے جاری تھے اور جوش کے ساتھ ابل ابل کر زخم سے بہہ رہا تھا مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ خون تھا یا مشک کیونکہ جیسی خوشبو میں نے اس روز خون میں سونگھی آج تک ایسی خوشبو سونگھنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ مولانا شہید کا مزار دہلی میں پیش قلعہ دہلی سنہری مسجد کے شمالی جانب پہلو میں ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی عمر شریف اکیس سال کی تھی کہ آپ کے دادا جو بجائے مرحوم باپ کے آپ کی تربیت و سرپرستی فرماتے تھے اور والدہ ماجدہ جنکا سایہ عاطفت آپ کے سر پر قائم تھا ماموں کا تقاضہ ہوا کہ نکاح ہوجائے پس چونکہ خطبہ یعنی منگنی اور نسبت کی تجویز پہلے ہی پختہ ہو چکی تھی اسلئے دہلی سے واپس